OPEN ACCESS
Hazara Islamicus
ISSN (Oline): 2410-8065
ISSN (Print):2305-3283
www.hazaraislamicus.hu.edu.pk

سماجی علوم کی روشنی میں تفسیر القرآن کی ضرورت واہمیت

The Need and Importance of Quranic Interpretation in the light of Social Sciences

Scan for Download

Jan Gul
Ph.D Scholar, Department of Islamic & Religious Studies,
Hazara University, Mansehra

Prof.Dr Sayyed Azkia Hashimi
Chairman Department of Islamic & Religious Studies, Hazara University, Mansehra

Abstract

Study of social sciences is necessary for students of the Holy Quran and the scholars as well for its better understanding. It is fact that there are various misunderstanding arose by the Isralet traditions incorporated by the early commentators of the Quran in Tafseer literature. Some questions are also presented by the orientalists regarding its consideration as a "word of God".

Contemporary sciences are developed on the basis of reason, observation and experimentation. Many beliefs and statements of the Quran are verified by the latest investigations, discoveries and researches which have created a great value in the context of interpretation by resolving confusions and ambiguities, particularly regarding history of the holy prophet, nations and places mentioned in the holy Quran. This paper aims to highlight the importance of social sciences for better understanding of the Holy Quran.

Keywords: *Social science, Quranic understanding, Quranic Interpretation*

تمہید (INTRODUCTION)

کلام اللہ وہ بلند رتبہ وحی ہے کہ جس میں شک وریب کی کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں، جو مخلوق کی اصلاح کے لیے خالق کا دستور اور زمین والوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے آفاقی قانون ہے، جس کی تبین و تشریح پیغمبر کے فرائض میں شامل تھی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے :

CC BY

"وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾"[1]

" اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اتاری کہ تم لوگوں سے بیان کردو جو ان کی طرف اترا اور کہیں وہ دھیان کریں "

تاریخ تفسیر اور کتب تفسیر کے مطالعہ سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ ہر دور کے مفسرین نے اپنے دور اور اپنے ماحول کے مطابق، اور اس دور کے مسلمہ علمی معیار کے مطابق قرآن حکیم کی ترجمانی کی اور قرآنی مطالب اور مفاہیم کی تفسیر و توضیح کا فریضہ سرانجام دیا یہ قرآن ہے جو کہ وہ حکمت و دانائی کا منبع اور صداقتوں کا مخزن ہے یہ اس کا فیضان ہے جس کے زریعے علم و تحقیق کے نئے نئے گوشے بے نقاب ہوئے اور تدبر و تفکر کی نئی راہیں ہموار ہوئیں، جہالت اور توہم پرستی کا خاتمہ ہوا اور طبعی اور سماجی علوم کا ارتقاء ہوا جس کے نتیجے میں نہ صرف قرآنی مضامین کی بہتر تشریح و تفہیم ممکن ہوئی بلکہ قرآن کا علمی اعجاز بھی نمایاں ہوا۔ جدید علوم کی نشوونما اور ارتقاء کے نتیجے میں ایک طرف تو خود مذہب اور مذہبی اعتقادات کے حوالے سے بہت سے سوالات پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے نئی نسل کو فکری ارتیاب (confusion) میں ڈال رکھا ہے، تو دوسری طرف ان علوم کی نئی تحقیقات سے مذہب کی تائید و تصدیق بھی ہو رہی ہے۔

عصر حاضر میں دیگر علوم و فنون کے ساتھ ساتھ سماجی علوم بھی ارتقاء پذیر ہوئے جن کے زریعے ان علوم کے بے شمار گوشے بے نقاب ہوئے اوہام و خرافات کے بجائے حقائق تک رسائی ہوئی، خود مذہب اور اس کی تعلیمات کو ان علوم کی روشنی میں جانچا اور پرکھا جانے لگا۔ اور مسلمہ حقائق ایک کسوٹی قرار دیے جانے لگے۔ ان علوم کی مذہبی صحائف کے ساتھ مطابقت تلاش کرنے اور ان کی روشنی میں مذہبی تعلیمات کی تفہیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ قدیم صحف سماوی کی تعلیمات کا ایک بڑا حصہ محرف ہونے کی وجہ سے ان علوم سے ہم آہنگ نہ ہونے کی بناء پر رد کر دیا گیا تاکہ قرآن حکیم جو کہ واحد محفوظ جامع اور مکمل آسمانی صحیفہ ہے وہ نہ صرف طبعی اور سماجی علوم کے ارتقاء کا باعث بنا ہے بلکہ اس کی تعلیمات ان علوم کے اکتشافات کی وجہ سے مذید واضح اور مستند ثابت ہونے لگی ہیں۔ آج بہت سے سماجی علوم نے متعدد قرآنی قصص و واقعات اور حقائق کی تصدیق کر دی ہے اور ایسے دلائل و شواہد سامنے آچکے ہیں جن کی موجودگی میں ان کا انکار ممکن نہیں رہا۔ قرآنی طالبعلم کے لیے ان علوم کی روشنی میں قرآن کو سمجھنا اور اس کی صحت کو جانچنا بہت آسان ہو چکا ہے۔ یہ حقیقت ہے ان علوم کا جدید ارتقاء مغربی دنیا میں ہوا جسکی وجہ سے ان علوم کے تصورات خالصۃً مغربی ہیں بسا اوقات قرآنی فکر سے ہم آہنگ نظر نہیں آتے مگر انہی علوم کے مسلمات سے قرآنی مفاہیم بالخصوص تاریخی واقعات کو صحیح تناظر میں سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ مقالہ ہذا میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ اس کی وضاحت کی جائے کہ سماجی علوم کس حد تک تفسیر قرآن پر اثر انداز ہوئے اور عصر حاضر میں تفسیر کے کن مباحث میں ان کی روشنی میں توسیع ممکن ہوئی اور یہ کہ ان علوم کو نظر انداز کیے بغیر قرآن کا عصری پیغام پہنچانا ممکن نہیں۔

سماج (معاشرہ) کی لغوی تحقیق

سماج کو عربی میں معاشرہ اور انگریزی میں society کے ہیں جو کہ عاشر یعاشر سے باب تفاعل کے وزن پر آتا ہے جس کے معنی باہم مل جل کر رہنے، ٹولی، سماج، انجمن وغیرہ کے ہیں۔[2] جیسے "اعتشریا تعاشرالقوم" ایک دوسرے کے ساتھ رہنا۔[3]

معاشرہ کا مصدر اشتقاق "ع ش ر" جو معنی کے لحاظ سے دس کے ہیں یعنی العشر بمعنی دسواں حصہ کے ہیں قرآن

مجید میں ہے کہ '' تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ''[4] یہ پورے دس ہوئے۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی[5] لکھتے ہیں کہ لفظِ العشیرۃ سے انسان کسی بھی چیز پر زیادتی تعدد کے اعتبار سے حاصل کرتا ہے۔ کیونکہ عشرۃ کے لفظ سے کاملیت مراد ہے چنانچہ قرآن میں ہے ''وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ ''[6] اور عورتیں اور خاندان کے آدمی لہٰذا عشرۃ انسان کے قربت داروں کے اس جھتے کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے وہ لوگوں پر طاقت حاصل کرتا ہے[7] لشکری میں معاشرہ بمعنی سماج کے ہیں جس کا معنی یہ ہے کہ باہم مل جل کر رہنے ،ٹولی، سماج، انجمن وغیرہ کے ہیں ۔[8]

سماجی علوم کیا ہیں؟

سماجی علوم (Social Science) جسے سادہ ترین الفاظ میں انسان کی معاشرتی زندگی کا مطالعہ کہا جاسکتا ہے۔ مختلف ماہرین سماجیات نے اپنے مخصوص انداز میں سماجی علوم کی توضیح کی ہے جس سے سماجی علوم کے بنیادی خدوخال کا تصور واضح ہوتا ہے۔

1۔ W.G. Summer کے نزدیک (Sociology is the Science of Society)
عمرانیات معاشرے کا سائنسی مطالعہ ہے۔[9]

2۔ Max Weber کے نزدیک (Sociology is the study of social Action)
عمرانیات معاشرتی عمل کا مطالعہ ہے۔[10]

اگرچہ یہ تعریفات بھی عمرانیات کی وسعت کا مکمل احاطہ نہیں کرتی، تاہم اس میں معاشرتی عمل کا مکمل تصور موجود ہے۔ عمرانیات معاشرتی زندگی سے مسائل کا تجزیہ اور ان کا حل سائنسی انداز میں پیش کرتی ہے۔

علم کے شعبوں کی جو تقسیم آج کل رائج ہے اس کے مطابق علوم کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ 1 ۔ طبعی علوم 2۔ سماجی علوم طبعی علوم میں سائنسی علوم شامل ہیں جبکہ سماجی علوم کا تعلق معاشرے کے سماجی رویوں اور ثقافتی پہلوؤں سے ہے۔ سماجی علوم میں تاریخ، سیاست، معیشت، تمدن، فلسفہ، نفسیات، عمرانیات، جغرافیہ اور علم الاثار وغیرہ شامل ہیں۔ جو کہ ذیل میں اختصاراً پیش کیے جاتے ہیں۔

علم تاریخ

تاریخ لغت میں تعریف الوقت کا نام ہے یعنی وقت کی حدود تعیین کرنے کے ہیں، اسی طرح تاریخ تاخیر سے ابدال ہے۔ ایک بیان میں تاریخ بمعنیٰ غایۃ یعنی انتہاء کے، ایک قول کے مطابق تاریخ لفظ عربی زبان کا ہی نہیں بلکہ کے لفظ ماہ روز سے تعریب کر کے مورخ اور پھر مورخ سے تاریخ کی تعریب بتائی گئی ہے۔[11]

تاریخ ایک ایسا علم ہے جو ماضی میں ہونے والے وقائع وقصص کو نہ صرف بیان کرتی ہے بلکہ گزشتہ انبیآءِ کرام، ان کی اقوام، طور طریقے بود و باش عیرہ کا ذکر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تارخ ایک کہانی نہیں ہے۔ پھر بھی قرآن کریم میں تاریخ کا ذکر بہت سے جگہوں پر کہیں اجمالاً اور کہیں اشارۃً ملتا ہے۔ مختلف زمانوں کے اہل علم نے قرآن کریم کے اس پہلو پر علمی سرمایا فراہم کیا ہے۔ جن میں مولانا حفظ الرحمان سیوھارویؒ کی قصص القرآن اور مولانا سید سلیمان ندوی کی ارض قرآن وغیرہ۔ یہ بات شاہد ہے کہ قرآن کریم جملہ علوم وفنون کا سرچشمہ ہے اس کے انہی بیانات سے فن تاریخ کی بنیاد پڑی اور پھر مسلمان قوم نے اپنی

معارف پر دی کے سبب اسے ایک لازوال فن بناڈالا۔[12]

قرآن نے انسانوں کو غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ کہ وہ گزشتہ اقوام کی زندگی کا مطالعہ کریں اور ان کی زندگی کو اپنے لیے نمونہ سمجھیں۔ تاریخ کے اہم حصوں کو نقل کرنا جس کے حوالے سے آگاہی پیش کرنا قرآن حکیم کے تربیتی طریقوں میں مضمر ہے۔ خالق کائنات کا ارشاد ہے۔

"فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ"[13]

"زمین میں چل پھر کر دیکھ لو ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جنہوں نے اللہ کے احکامات اور ہدایات کو جھٹلایا۔"

ابوالحسن الماوردی فرماتے ہیں کہ ؛

(فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ) حتى تروا آثار من كذب الرسل وما حلَّ بهم من العذاب؛ بالتكذيب.أو (فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ): أي سلوا من يعلم ما الذي حل بهم حتى يخبروكم ما مضى من الهلاك في الأمم الخالية، فهذا تنبيه من اللَّه - عَزَّ وَجَلَّ - إياهم أنكم إن كذبتم الرسول - فيحل بكم ما قد حل بمن قد كان قبلكم، وإن أطعتم الرسول -- فلكم من الثواب ما لهم، فاعتبروا به كيف كان جزاؤهم بالتكذيب.[14]

یعنی اس کائنات میں خوب چلو پھرو اور مشاہدہ کرو ان لوگوں کا جو اس سے پہلے سابقہ امتوں میں سے منکرین ٹھہرے ، یہ رب ذوالجلال کے ہاں لوگوں کو تنبیح ہے جو آپ علیہ السلام کی مخالفت کرتے تھے ساتھ ہی یہ ہدایت ہے اور فرمایا کہ اے لوگوں اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروگے تو فلاح کے ضامن ٹھہروگے اور معاصی کروگے تو خود اپنے انجام کو پہنچ جاوگے۔

علم سیاست

سیاست عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کا معنیٰ ہے بادشاہ کا اپنی رعایا کو کسی کام کا حکم کرنا یا کسی کام سے روکنا، اور اصطلاح میں مخلوق کی ایسے طریقے سے اصلاح کرنا جو دنیا و عقبیٰ میں سبب نجات ہو یہ انبیاء کا خاصہ ہے۔ اسی طرح عوام الناس، سلاطین و ملوک، علماء بھی ظاہری باطنی طور پر اسے سرانجام دیتے ہیں جس کے معنی ہیں بادشاہت کرنے کا طریقہ، نگہبانی، تنبیہہ کرنا لوگوں کو قصور و جرم کی سزا دینا، دبدبہ، رعب وغیرہ۔[15]

کلام پاک میں سیاست مختلف معنوں میں وارد ہوا ہے بعض مقامات پر سیاست حاکم وقت کا رعایہ کے درمیان فیصلے کرنے کے مفہوم میں، اور کہیں معاشرے کی بربریت کو ختم کرنے، اور کبھی اوامر اور نواہی کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

اسلام تمام سیاسی پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے اگر چہ اس کا تعلق شخصی زندگی سے ہو یا معاشرتی والدین سے اولاد کے روابط ہوں یا قوم او رامام کا رابطہ، بین المذاہب سے رابطہ کیسا ہونا چاہے کن افراد سے رابطہ رکھنا صحیح ہے اور کن لوگوں سے رابطہ رکھنا صحیح نہیں۔ اسی طرح سیاست حاکمیت اعلیٰ کے تصور سے لیکر انبیآء کی رسالت و ہدایت، سیاسی قیادت و رہبری، سیاسی مقاصد، اتحاد امت مسلمہ، ظلم و ستم سے نفرت، عدل و انصاف، رہنماوں کی ذمہ داریاں، انفرادی و اجتماعی، قومی اور بین الاقوامی مسائل و معاملات پر بحث کرتی ہے۔

علم معاشیات

عربی زبان میں لفظ معاش جو مصدراً "عاش" سے ہے جو معانی کے لحاظ سے زندہ رہنے کے ہیں۔" ابن منظور افریقی[16] کہتے ہیں "العیش" کا مطلب زندگی، جو عاش یعیش عیشا عیشة سے ماخوذ ہے۔ گویا معیشت کہتے ہیں کہ وہ زرائع جن سے زندگی بسر کی جاسکے[17]

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں۔" العیش سے وہ زندگی مراد ہے جس کا تعلق انسانوں کے مقابلے میں حیوانات کے ساتھ خاص ہو کیونکہ الحیاۃ کا لفظ مختلف معانی میں مستعمل ہے جو ملائکہ، باری تعالیٰ، اور حیوانات پر کسی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور العیش سے لفظ المعیشۃ ہے (وہ بنیادی ساز و سامان جس کے بغیر زندگی کا گزانا مشکل ہو) جس پر زندگی کا دار و مدار ہے"[18]

یقیناً معاشیات ایک معاشرتی علم ہے جو انسان کے سماجی مسائل پر بحث کرتا ہے۔ معاشیات کے مطالعہ سے فرد و قوم کو آگاہی حاصل ہوتی ہے کہ کس طرح اپنی آمدنی میں توازن قائم کیا جائے۔، یعنی نہ تو بے تحاشا خرچ کر کے ساری آمدنی ختم کر دی جائے (کہ آئندہ کے لئے کچھ نہ بچے) اور نہ ہی بخل کر کے جائز ضروریات کی تکمیل سے محروم رہا جائے۔

علم معاشیات کا تعلق زندگی کے اقتصادی پہلو سے ہے جو محدود ذرائع سے کثیر خواہشات پوری کرتے وقت اختیار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح سماجی تعلقات ہوں یا ثقافتی روایات، علمی سرگرمیاں ہوں یا ادبی، مشاغل، تہذیب و تمدن ہو یا تفریح کے طور طریقے، سود سے پاک نظام ہو یا یکساں نظام معیشت، دوسروں کے مال کی حفاظت ہو یا نجاست سے پاک نظام، امیر و غریب میں برابری ہو یا ممانعت اسراف و تبذیر، اجتماعی معاشی نظام ہو یا تجارت، درجات معیشت ہو یا احتکار و اکتناز کی حرمت، وغیرہ سب ہی معاشی مسائل اور معاشی جدوجہد سے متاثر ہوتے ہیں لہٰذا معاشیات کا موضوع بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

علم تمدن

تمدن مدن سے ہے، کہ جس طرح کسی شخص نے اہل شہر کے اخلاق اختیار کیے اور تنگ دلی، بربریت اور جہالت سے اعلیٰ ظرفی، معرفت کی جانب منتقل ہو۔[19] تمدن سے مراد بنی نوع انسانی کا اجتماع ہے جس میں وہ غذا، لباس، رہائش وغیرہ کے اصول میں ہر دو کے ساتھ باہمی تعاون اور شراکت کرتے نظر آتے ہیں۔[20]

تمدن حقیقت میں ضروریات زندگی کی پیداوار ہے۔ انسان کی ضروریات زندگی رفتہ رفتہ تمدن کو جنم دیتی ہیں۔ یہ بات صرف نظر نہیں کرنی چاہیے کہ تمدن کا تہذیب سے گہرا تعلق ہے۔ چونکہ تہذیب نام ہے نظریات کا، اس لیے نظریات کی عدم دستیابی پر تمدن کا وجود ممکن نہیں۔ تہذیب اور تمدن کا تعلق جسم و روح کی مانند ہے بلکہ تمدن انسان کے تدریجی ارتقاء کی مسلسل طویل کہانی ہے جو ایجادات اور آلات جری سے منسوب ہے اسی طرح انسانی ذہن تہذیب و تمدن کی طرف مائل ہوا تو اس نے زندگی امن کے ساتھ گزارنے کے لیے قوانین مرتب کرنا شروع کیے اور ریاستوں کا نظام قائم کیا۔[21]

ابتدا میں انسان مظاہر پرستی کرتا رہا پھر وہ اوہام پرستی کے دوام میں گرفتار رہا، بعد از فکری تحریکوں نے نشو نماہ پانا شروع کیا اور روحانی پیاس بجھانے کے لیے مختلف دور میں مختلف مذہبی تحریکیں رونما ہوئیں جن کی وجہ سے انسان مظاہر پرستی، اوہام پرستی اور بت پرستی سے نجات پانے لگا اور اسے صرف خدائے واحد کے سامنے سر جھکانے کی طرف مائل ہو یوں انسان دور وحشت و بربریت سے گزر کر عہد تمدن میں داخل ہوا۔[22]

قرآنِ حکیم کی روشنی میں تہذیب و تمدن کے جو خدوخال متعین کیے گئے ہیں ان میں خاص طور پر عصر جاہلیت کے تمام نظریات کا قلع قمع کیا گیا ہے اور اسلامی معاشرے کے افکار و نظریات کا منہاج متعین کیا، جو ایجابی طریقہ کار کے مطابق مستقبل کی جانب پیش قدمی کرتا ہے اور یہی طریقہ کار ملت کے تشخص کے تحفظ و سلامتی کا ضامن ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ انسانی بود و باش میں تاریخ اہمیت کی حامل ہے جس سے گزر کر انسان دور بربریت سے دور تمدن تک پہنچتا ہے۔

علم نفسیات

نفسیات سے مراد رویئے اور عقلی زندگی کے سائنسی مطالعے کا نام ہے۔ لہٰذا نفسیات در اصل نفس سے متعلقات کا مطالعہ ہے۔ گویا نظریاتی اصولوں میں ماہرین میں باہم اختلاف ہے تاہم اس علم کے عملی پہلو جنگ عظیم کے بعد اس انفرادی مسائل کے حل میں از بس مد اور معاون ثابت ہوئے ہیں۔[23]

علم نفسیات کا تعلق انسانی سوچ' تفکر' عادات و اطوار و کردار سے ہے۔ نفسیات کا علم چند ایسی انسانی خصلتوں کی نشاندہی کرتا ہے جو انسانی شخصیت میں بگاڑ کا باعث بنتی ہے مثلا بغض' حسد' کینہ' غصہ' غیبت' بہتان تراشی اور جاسوسی وغیرہ۔ دین اسلام نے جہاں ایسی خرابی کی نشاندہی کی وہاں اس کا حل پیش کرتے ہوئے بتادیا کہ یہ شیطانی وسواس انسانی شخصیت میں منفی اثرات پیدا کر کے نفسیاتی بیماریوں کا پیش خیمہ بنتی ہیں۔ دین اسلام نے ایسی خرابیوں سے بچنے کی تاکید کی ہے۔

علم عمرانیات

لفظ عمرانیات عربی کے لفظ عمران سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں، آبادی، سماج، معاشرت، رہن سہن،۔ سماج کے لیے عمران کا لفظ ابن خلدون نے استعمال کیا تھا۔[24] اور صاحب منجد نے عمرانیات کو بمعنی آبادی کے بتایا ہے۔[25]

لفظ عمران بطور علم بھی استعمال ہوا ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔

''اِذۡ قَالَتِ امۡرَاَتُ عِمۡرٰنَ''[26]

''جب عمران کی بی بی نے عرض کی''

عمرانیات کا مضمون بہت وسیع ہے۔ یہ وہ مضمون ہے جو ہمیں نہ صرف معاشرتی کرداروں اور معاشرتی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے روشناس کراتا ہے بلکہ دیہی و شہری زندگی کی بود و باش، سماجی پرت بندی، سماجی طبقات، سماجی نقل و حرکت، یہ وہ تمام موضوعات ہیں جن کا تعلق معاشرتی زندگی کے ساتھ خاص تعلق استوار کرتا ہے۔ یعنی یہ وہ موضوعات ہیں جو معاشرتی تعلقات کی عام نوعیت کی وضاحت کرتے ہیں۔

علم فلسفہ

فلسفہ یونانی زبان کا لفظ ہے جس سے مراد بشری طاقت کے مطابق واجب الوجود سے مشابہت حاصل کرنا تاکہ ہمیشہ کی سعادت حاصل ہو جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔'' تخلقوا بأخلاق الله '' یعنی اللہ کی مشابہت اختیار کرو معلومات کا احاطہ کرنے میں اور جسمانی خواہشات سے دور رہنے میں اور اہل کے ہاں فلسفہ (فیلاسوفا) سے مشتق ہے جس کا معنی ہے دانشمندی سے محبت کرنے والا، اور فلاسفہ سے مراد دانشمند لوگ ہیں، اور الہیات کے علم کو بھی فلسفہ اولی کہتے ہیں۔[27]

افلاطون [28] کے مطابق فلسفہ اشیا کی ماہیت کے لازمی اور ابدی علم کا نام ہے۔[29]

ارسطو[30] وجود کی انتہائی حقیقت و ماہیت کی تحقیقات کو فلسفہ اول(FIRST PHILOSOPHY) کہتا ہے یعنی مابعدالطبیعات (METAPHYSICS) کو وہ فلسفہ اول قرار دیتا ہے وہ اپنی تمام طبعی تحقیقات کو بھی فلسفہ کے تحت ہی لاتا ہے۔[31]

فلسفہ کا موضوع تین چیزوں پر بحث کرتا ہے جس میں الہیات ، طبیعات اور انسانیات شامل ہیں۔ان کے مطالعے سے کئی قسم کے سوالات جنم لیتے ہیں جیسے کائنات کیسے معرض وجود میں آئی ؟، اس کائنات کا رب کون ہے ؟، کائنات کی غرض و غایت ، مایہ خمیر اور روح کیا ہے ؟، زندگی کی قدر و قیمت اور غایت کیا ہے ؟، ارتقا کیا ہے ؟، موت کیا ہے ؟، ثواب وحطا سے کیا مراد ہے ؟، حسن و قبح کیا ہے ؟وغیرہ یہ سب فلسفیانہ سوالات ہیں ان پر حکیمانہ طریقے سے غور و فکر کر کے حکیمانہ تحقیق کے ساتھ اس کا جواب فراہم کرنا فلسفے کا موضوع ہے۔اسی طرح فلسفہ معاشرہ حیات انسانی کے ان غایات واقدار سے بحث کرتا ہے جن کا تعلق معاشرتی زندگی اور شہری اداروں سے ہوتا ہے۔آج کے جملہ علوم وفنون جو ثابت اور تجرباتی ہیں وہ کسی نہ کسی حوالے سے سائنس کے تحت آتے ہیں فلسفہ ان علوم پر بحث کرتا نظر آتا ہے جو مشاہداتی و تجرباتی نہیں ہیں بلکہ وہ حقیقت پر مبنی ہیں یوں فلسفہ واقعات کی حقیقت بیان کرتا نظر آتا ہے اگر ہم اس کو مثال دے کر سمجھنے کی کوشش کریں توسائنس اس کائنات کاظاہری علم ہے جس کو قرآن عظیم نے شہادت کا علم کہا ہے اور فلسفہ شہادت کی انتہائی حقیقت کو معلوم کرنا چاہتاہے جو غیب کا دائرہ ہے اور جس کو قرآن کی زبان میں عالم غیب قرار دیا جاسکتا ہے۔

علم جغرافیہ

علم جغرافیہ ایسا علم ہے جس میں زمین کی سطحی ظاہری خدوخال جیساکہ پہاڑ، وادیاں، جنگلات، صحرا، حیوانات،انسان سے بحث کی جائے۔[32] جغرافیہ یونانی زبان کا لفظ ہے جو دوالفاظ کا مرکب ہے (GEO) اور گرافی (GRAPHY) یعنی جیو " زمین" اور گرافی : "لکھنا"، تشریح کرنا۔ گویا زمین کے حوالے سے لکھنا، تشریح کرنا۔[33] عبداللہ بن محمد بن موسیٰ الخُوَارِزمی [34] کے نزدیک مظاہر قدرت (پہاڑوں، سمندرں،جزیروں، نہروں اور شہروں) کے مطالعے کا نام جغرافیہ ہے۔[35]

علم جغرافیہ علمی و عملی دونوں اعتبار سے بہت ہی فائدہ مند علم ہے۔یہ علم تحقیق و تجسّس اور مطالعہ واکتشاف پر زور دیتا ہے یہ ذاتی اور علاقائی سطح سے ہٹ کر عالمی اور بین الاقوامی نظریات پیدا کرتا ہے۔یہ انسانی ذہن کو وسعت بخش کر اسے ملکی اور عالمی سطح پر انسان کو تفکر پر آمادہ کرتا ہے۔اسی طرح یہ مختلف امور کی طبعی وجوہات کو فہم میں مدد دیتا ہے اور مختلف تاریخی، سیاسی و ثقافتی حوالے سے فہم وفراست پیدا کرتا ہے۔قرآن کریم میں جن مقامات (ملک ، شہر ،پہاڑ، دریا، سمندر ، چشمہ وغیرہ) کا تذکرہ آیا ہے، ان کے محل وقوع اور دیگر تفصیلات کے اعتبار سے قرآن کریم نصیحت کرتا ہے۔

علم الاثار

علم الآثار ایسا علم ہے جو قدیم انسانی آبادیوں، اقوام، تصاویر، فنون، شہریت وغیرہ سے متعلق معلومات حاصل کی جائیں۔اور عالم الآثار اس آدمی کو کہا جاتا ہے جو اثار کا مدرس اور معارف کا اہتمام کرتا ہو۔اور دار الآثار سے مراد وہ جگہ جہاں اثار کی اشیاء موجود ہوں۔[36] علم الآثار چونکہ باقیات (الآثار قدیمہ) کے مطالعے کا نام ہے جو کہ علم تاریخ کی ہی ایک قسم ہے جس طرح فرمایا کہ

" ان علم الاثار ليس هو كل دراسة الماضى انه دراسة الحجاره القديمه وبصورة اعم دراسة جميع الاشكال الملموسة والمنظورة التى تحفظ اثر نشاط بشرى"[37]

"یعنی یہ ایک مکمل تاریخی علم ہے جس کا تعلق ماضی کی بستیوں کے ساتھ خاص ہے اور عام طور پر اس علم کا اطلاق ان تمام اشیا کے گرد ہوتا ہے جاانسان کے زیر اثر ہوں۔"

چونکہ اس علم کا تعلق پرانے نشانات، کھنڈرات، تاریخی عمارات کے ساتھ خاص ہی نہیں بلکہ اس علم کا تعلق ہر اچیز کے ساتھ ہے جو کسی قدیم قوم کی بود و باش، عمارات یا اشخاص کی طرف راجع ہو۔ گویا علم الاثار بشری باقیات کے زریعے ماضی کے احوالات کو جاننے کا نام ہے۔اس علم کی ابتدا حضرت آدم سے ہوتی ہے لیکن باقائدہ طور پر پانچ سو قبل مسیح جب رائمسس ثانی نے اہرام مصر کھڑے کیے تو اس علم میں انقلاب دیکھا گیا۔اس علم کے جاننے سے لا محدود ماضی کا علم تو نہیں ہوتا بلکہ سابقہ اقوام کے آثار و تہذیب و تمدن تک رسائی ممکن ہوتی ہے۔

تفسیر القرآن میں سماجی علوم کی ضرورت و اہمیت

قرآن حکیم کا ایک بڑا حصہ تاریخی واقعات و قصص پر مشتمل ہے تاریخ کا مطالعہ قرآن فہمی کے لیے کس حد تک ضروری ہے اس کے لیے ہمیں تاریخ کی اہمیت و افادیت کو بھی جاننا ہو گا قرآن تاریخ کی کتاب نہیں اس میں نہ صرف ہمارا ماضہ ہے بلکہ حال مستقبل بھی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

"لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ"[38]

" ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب اتاری ہے جس میں تمہارا تذکرہ (تاریخ) ہے"

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ قدیم مفسرین نے بعض آیات کی توجیع میں یا شان نزول میں ایسی روایات و واقعات بیان کر دیے ہیں جن کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں بلکہ قرآنی مفاہیم کی توضیح میں وہ حجاب بن جاتے ہیں۔ آج جدید تاریخی معلومات نے قرآنی صداقتوں کو مزید مزین کر دیا ہے۔ مثلا قرآن نے فرعون کے جسم کے محفوظ ہونے کا حوالہ دیا ہے۔

"فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً"[39]

" آج ہم تمہارے جسم کو بچالیں گے تاکہ تو بعد میں آنے والوں کے لیے نشان بنے"

نزول قرآن کے وقت کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ فرعون کا جسم صحیح سالم حالت میں موجود ہے۔ بعد میں آثار قدیمہ کی تحقیق اور مصر کے اہراموں کی دریافت کے نتیجے میں فرعون کی ممی نکالی اور تحقیقات کے نتیجے میں یہ انکشاف ہوا کہ یہی فرعون موسیٰ جو پانی میں غرق ہوا اور اس کی لاش قاہرہ کے میوزم میں محفوظ ہے۔ 1907 میں سر گرافٹن الیٹ سمتھ نے اس کی ممی پر سے جب پٹیاں کھولی تھیں تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہ جمی ہوئی پائی گئی تھی جو کھارے پانی میں اس کی غرقابی کی ایک کھلی علامت تھی۔[40]

مستشرقین نے بعض قرآنی بیانات پر متعدد اعتراضات کیے ہیں اور بعض واقعات کو تاریخی حقائق کے برخلاف بتایا ہے مثلاقرآن کے بقول یہود کا دعویٰ ہے۔

"وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللهِ"[41]

" یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں"

حالانکہ یہ عقیدہ تو ان کے کسی مذہبی کتاب میں نہیں یہود آج کل یہ عقیدہ رکھتے ہیں اگر چہ مسلمہ مفسرین نے اس اعتراض کے متعدد جوابات دیے ہیں تاہم کچھ عرصہ قبل (Dead Sea) کے قریب ایک غار سے قدیم آثار و دستاویزات ملیں جو دراصل ایک کتب خانہ تھا جو کسی بڑے عیسائی عالم کی ملکیت میں تھا جسے غار میں چھپایا گیا تھا یہ ذخیرہ قدیم عبرانی اور سریانی زبانوں میں تقریباً پونے دو ہزار سال قبل لکھا گیا تھا ان میں کچھ چیزیں اب سامنے ہو رہی ہیں جن میں ان یہود کی تردید ہے جو حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے اس مشرکانہ عقیدے پر یہود کو شرم دلائی گئی ہے اور یہ وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی بیٹا نہیں اور عزیر علیہ السلام اللہ کے نیک بندے اور انسان ہے۔ یہ ایک واضح ثبوت ہے قرآن کے بیان کا اور جدید تحقیقات نے اس کی تصدیق کر دی۔[42]

قرآن میں فرعون کے وزیروں میں سے ایک ہامان کا ذکر ہے۔ یہود کے کسی لٹریچر سے اس کی تائید نہیں ہوتی تھی نہ قدیم مصری ادب سے۔ اس پر بھی مغربی فکر نے ایک طوفان کھڑا کیا کہ دعویٰ غلط ہے چند سال قبل قدیم فراعنہ سے متعلق نئ معلومات سامنے آئیں اور ایک میت دریافت ہوئی جسکے تابوت پر پوری تفصیل لکھی ہوئی تھی جس کا نام ہامان ہے یہ اس دور کا بہت بااثر انسان تھا اور یہ اس دور میں تھا جس میں فرعون مصر کا حکمران تھا اس سے بھی قرآن کے اس بیان کی تائید و تصدیق ہوئی۔[43]

قرآن حکیم گزشتہ صحف سماوی کی تحریفات کا ذکر کرتا ہے اور اپنے محفوظ ہونے کا دعویٰ بھی۔ جدید علوم کی تحقیقات کے نتیجے میں آج صحف سماوی میں موجود تحریفات کی نشاندہی اور قرآنی بیانات کی بھی تصدیق ہو رہی ہے ۔ مثلاً قرآن میں یوسف علیہ السلام کے ہم زمانہ بادشاہ مصر کو ملک مصر (بادشاہ مصر) اور حضرت موسیٰ کے ہم زمانہ مصری بادشاہ کو بار بار فرعون کہا ہے جب کہ بائبل حضرت یوسف کے ہم زمانہ مصری بادشاہ کو بھی فرعون کہا ہے اور حضرت موسیٰ کے ہم زمانہ مصرہ بادشاہ کو بھی فرعون کا لقب اپتے ہیں زمانہ نزول قرآن کے وقت یہ تاریخی واقعات لوگوں کو معلوم نہ تھے تاریخ ابھی تک آثار کی شکل میں زیر زمین دفن تھی جسے بعد میں برآمد کیا گیا۔ تاریخی انکشافات سے اس کی تصدیق ہوئی کی "فرعون" کے لقب کے مشہور بادشاہ حضرت موسیٰ کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں اس سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں مصر کے حکمران تھے وہ عرب نسل سے تعلق رکھتے تھے باہر سے آکر قابض ہوتے تھے جس تاریخ میں چرواہے بادشاہ(HYKROS KINGS) کہا جاتا ہے بعد میں مقامی لوگوں نے ان کے خلاف بغاوت کر کے اپنی حکومت قائم کی اور اپنے حکمرانوں کے لیے "فرعون" کا لقب پسند کیا جس کے معنی سورج دیوتا کی اولاد کے ہیں۔[44]

جدید علوم کی نشوونما اور ارتقاء عقلی بنیادوں پر ہوا ہے جس نے خود مذہب اور مذہبی اعتقادات کے حوالے سے بھی بہت سے سوالات کھڑے کیے ہیں مثلاً نفسیات کی تحقیقات سے یہ نتائج سامنے آئے کہ مذہب انسان کے اپنے لاشعور کی پیداوار ہے اور آخرت کا عقیدہ دراصل انسانی آرزؤں کی خوبصورت تصویر ہے مگر جدید نفسیات یہ بات مسلمہ ہے کہ ہر شخص جو کچھ سوچتا ہے اچھا یا برا خیال جو اس کے دل میں گزرتا ہے وہ سب نفس انسانی اس طرح نقش ہوتا ہے کہ پھر کبھی نہیں مٹتا۔ اگرچہ فرائڈ اسے سمجھنے سے قاصر ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ تحت الشعور میں نیتوں اور خیالات کے حفاظت سے قدرت کے کن

مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے مگر آخرت پر اعتقاد سے اس کی معنویت سمجھ میں آ جاتی ہے یہ واقعہ صریح طور پر اس امکان کو ظاہر کرتا ہے کہ جب دوسری زندگی شروع ہوتی تو ہر شخص اپنے پورے نامہ اعمال کے ساتھ وہاں موجود ہو گا۔آدمی کا خود اپنا وجود گوائی دے رہا ہو گا کہ کن نیتوں اور کن خیالات کے ساتھ اس نے دنیامیں زندگی بسر کی تھی۔[45]

”وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ وَنَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِهٖ نَفۡسُهٗ ۖۚ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ ۝١٦“[46]

” اور ہم نے بنایا انسان کو اور ہم جانتے ہیں جو باتیں آتی رہتی ہیں اس کے جی میں اور ہم اس کے رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں“

نفسیاتی تحقیق کے مطابق لاشعور یا دوسرے لفظوں میں انسان کے حافظہ کے خانے میں اس کے تمام خیالات ہمیشہ کے لیے محفوظ رہتے ہیں جس سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا ذہن اس کے جسم کا حصہ نہیں۔کیونکہ جسم کے ذرات (CELLS) پر چند سال بعد تبدیل ہو جاتے ہیں جب کہ لاشعور کے دفتر میں سو برس بعد بھی کوئی تغیر، کوئی دھندلہ پن، کوئی مغالطہ یا شبعہ پیدا نہیں ہوتا اگر یہ دفتر حافظہ جسم کے متعلق ہے تو وہ کہانی رہتا ہے جسم کے کسی حصہ میں ہے اور جسم کے ذرات جب چند سال بعد غائب ہو جاتے ہیں تو وہ غائب کیوں نہیں ہوتا یہ کون سا ریکارڈ ہے کہ ریکارڈ کی تختی ٹوٹ کر ختم ہو جاتی ہے مگر وہ ختم نہیں ہوتا جدید نفسیات کا یہ مطالعہ صریح طور پر ثابت کرتا ہے کہ انسانی وجود حقیقیہ اس جسم کا نام نہیں جس پر گھاؤاور موت کا عمل طاری ہوتا ہے بلکہ اس کے علاوہ اس کے اندر ایک چیز ہے جس کے لیے فنا نہیں ہے اور جو زوال میں مبتلا ہوئے وجود کو مستقل طور پر یک حال میں برقرار رکھتا ہے۔[47]

جدید علوم کے مطالعہ سے نہ صرف قرآن میں ذکر کردہ اشخاص، اقوام و قبائل کی حقیقی تصویر کشی ہوتی ہے بلکہ ان غلط فہمیوں کا بھی ازالہ بھی ہوتا ہے جو مخالفین نے پر پیگنڈے کے زور پر کر رکھی ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان کی غیر مستند روایات کی بھی تردید ہوتی ہے جو قرآنی فکر اور روح سے ہم آہنگ نہیں۔قدیم صحائف ایسے الزامات جن سے انبیاء کرام کی عصمت داغدار ہوتی ہے جب کہ قرآن ان کی برات کا اظہار کرتا ہے اور جدید تحقیقات اس کی تصدیق کرتی ہے۔

تاریخی مقامات، انبیاء سے منصوب واقعات، معذب اقوام کی تاریخ، اقوام و قبائل کے مساکن سے متعلق جدید معلومات نے قراآن پر ایمان کو مذید مستحکم کر دیا ہے۔بطور نمونہ یہ چند مثالیں ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ عصری علوم جن کی بنیاد اگرچہ عقل اور مشاہدہ اور تجزیہ پر رکھی گئی ہے ان کی روشنی میں قرآن حکیم کی تفسیر کی جائے تو اس سے نہ صرف قرآن حکیم کے کلام الٰہی ہونے کا دعویٰ مستحکم ہو گا بلکہ قرآن کا اعجاز بھی نمایاں ہو گا اور اس کے نئے مفاہیم کی توضیح اور قدیم صداقتوں کی تائید بھی ممکن ہو سکے گی اور متعدد اوہام و خرافات، شکوک و شبہات اور غلط فہمیوں کا ازالہ ہو گا جو مختلف اسباب و وجوہات کہ بنا پر پیدا ہو چکی ہیں۔قرآنی اوامر و نواہی کن حکمتوں پر مشتمل ہیں ان کا فلسفہ کہا ہے جدید علوم نے ان کی عمدہ توضیح کی ہے اس تناظر میں ان کی توضیح تفسیری سرمائے کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں زیادہ مفید ثابت ہو گی۔

نتائج بحث:

مقالہ ہذا میں بیان کیے گئے شوائد و براہین سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ قرآن ہی عالمی و آفاقی منبع رشد و ہدایت ہے، جو قیامت تک کے لیے دستور حیات ہے جس کی رہنمائی ازل تک پھیلی ہوئی ہے اس کی توضیح و تشریح میں مختلف علوم و فنون میں مہارت مسلمہ امر ہے تاہم سماجی علوم کی روشنی میں تفسیر قرآن فہمی کے لیے نئے گوشوں کو متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔

آج سماجی علوم نے تفسیر کے دائرے میں کافی وسعت پیدا کی ہےاور ان علوم کے ارتقاء سے بہت سے قرآنی نکات بالخصوص تاریخی و تمدنی واقعات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ متعدد شکوک و شبہات اور غلط فہمیوں کا ازالہ ہوتا ہے جو اسرائیلیات و غیرہ کے تفسیری ذخیرہ میں شامل ہونے سے پیدا ہوئی ہیں یا مغربی مفکرین و ملحدین و مستشرقین کی طرف سے پیدا کی گئی ہیں ان علوم کا گہرا مطالعہ سے قرآنی تہذیب و معاشرت کے امتیازات بھی سامنے آتے ہیں اور جدید معاشرت کی خامیں اور نقائص بھی اجاگر ہوتے ہیں نیز قرآنی احکامات و قوانین کے فلسفہ تشریع کو سمجھنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

This work is licensed under a
Creative Commons Attribution 4.0 International Licence.

حوالہ جات (References)

---

[1] القرآن الکریم، النحل 16/ 44

[2] الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات، اردو، فیروز سنز راولپنڈی، لاہور، کراچی، ص: 808

[3] بلیاوی، ابوالفضل عبدالحفیظ، مصباح اللغات، مکتبہ برہان، اردو بازار جامع مسجد دہلی، بھارت، ص: 532

[4] القرآن الکریم، البقرۃ2/ 196

[5] آپ کا پورا نام الحسین بن محمد بن المفضل، ابو القاسم الأصفهانی (أو الأصبهانی) المعروف بالراغب ہے، آپ کا تعلق اہل اصفہان (بغداد) سے تھا اور آپ امام غزالی کے ہم زمانہ تھے، آپ کی مشہور کتابوں میں (محاضرات الأدباء - ط) مجلدان، و (الذريعة إلى مكارم الشريعة-ط)، (الأخلاق)، (إخلاق الراغب)، (جامع التفاسير) شامل ہیں آپ کی وفات 1108م میں ہوئی-الأعلام للزركلي ج:2ص:255

[6] القرآن الکریم، التوبہ 9/24

[7] ایضاً

[8] الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات، اردو، فیروز سنز راولپنڈی، لاہور، کراچی، ص: 808

[9] پروفیسر عبدالحمید تگہ، عمرانیات، فضل مارکیٹ اردو بازار لاہور، ص: 5

[10] ایضاً

[11] التھانوی ، محمد بن علی ابن القاضی محمد حامد بن محمّد صابر الفاروقی الحنفی ،موسوعة کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، 1158ھ۔،ج:1ص:365

[12] کوکب شادانی، تاریخ ابن کثیر (اردو)، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی،ج:1مقدمہ

[13] القرآن الکریم،آل عمران،137/3

[14] ماوردی، ابو الحسن علی بن محمد بن محمد بن حبیب ، تفسیر ماوردی، محقق السید ابن عبد المقصود بن عبد الرحیم، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان،ج:1ص:425

[15] موسوعة کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم ج:1ص:993

[16] ابن مَنْظُور: (630 - 711ھ = 1232 - 1311 م)آپ کا پورا نام محمد بن مکرم بن علی، ابو الفضل، جمال الدین ابن منظور الانصاری الرویفعی الافریقی، صاحب (لسان العرب) ہے ،آپ مصر میں پیدا ہوئے اور وہاں پر ہی وفات پائی ،آپ کی کتابوں میں مختار الاغانی، مختصر مفردات ابن البیطار ، نثار الازہار فی اللیل والنہار ، سرور النفس بمدارک الحواس الخمس، مدارک الحواس الخمس، لسان العرب۔ شامل ہیں۔ الاعلام ج:7ص:108 ،فوات الوفیات ج:2ص:265

[17] ابن منظور، لسان العرب،ج:6ص:321

[18] اصفہانی، مفردات الفاظ القرآن ص:596

[19] مقدمۃ ابن خلدون 3: 255المقری 3: 674.، تکملۃ المعاجم العربیۃ، رینہارت بیتر آن دُوزِی،ج:10ص:30

[20] القاضی عبد النبی بن عبد الرسول الاٗحمد نکری، دستور العلماء، جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون، دار الکتب العلمیۃ- لبنان / بیروت،ط1۔ ج:1ص:237

[21] ارتقائے تمدن، ص:17-18

[22] ارتقائے تمدن، ص:9

[23] اردو انسائیکلو پیڈیا، تیسرا ایڈیشن 1974، مطبوعہ فیروز سنز لمٹڈ لاہور، ص:990

[24] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:3ص:420

[25] ابو الوئس، المنجد، دار الاشاعت اردو بازار کراچی ص:681

[26] القرآن الکریم،آل عمران :35/3

[27] التھانوی، محمد بن علی ابن القاضی محمد حامد بن محمّد صابر الفاروقی الحنفی، موسوعة کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، الناشر: دار الکتب العلمیہ- لبنان / بیروت ج:2ص:1287

[28]افلاطون (427تا347 ق م)آپ سقراط کے شاگرداور متعدد فلسفیانہ مکالمات کا خالق تھے آپ نے ارسطوسے بھی تعلیم حاصل کی۔آپ نے بہت سے فلسفیانہ موضوعات، جن میں سیاست، اخلاقیات، مابعدالطبیعیات اور علمیات شامل ہیں، پر لکھا۔

[29]اصفہانی، مفردات الفاظ القرآن، ص: 596

[30]ارسطو(384تا322ق م)آپ یونان کا ممتاز فلسفی، مفکر اور ماہر منطق تھے، آپ مقدونیہ کے علاقے استاگرہ میں پیدا ہوئے،آپ نے ابتدائی (طب، حکمت اور حیاتیات کی) تعلیم اپنے والد سے حاصل کی،آپ 37 سال کی عمر تک افلاطون کے مکتب سے وابستہ رہے، 53سال کی عمر میں آپ نے اپنے مدینہ الحکمت کی بنیاد ڈالی جہاں اس نے نظری و کلاسیکی طریقہ علم کی بجائے عملی اور عقلی مکتب فکر کو فروغ دیا۔آپ کی کتابوں میں الاخلاق مابعدالطبیعیہ، العبارۃ، البرہان، الجدل، الخطابہ، الشعر النفس، الحیوان، الحس والمحسوس مشہور ہیں۔ اردو دائرہ معارف اسلامی، ص: 93

[31]اسلام اور فلسفہ، ص: 2

[32]إبراہیم مصطفیٰ، المعجم الوسیط، مجمع اللغۃ العربیۃ بالقاہرۃ، الناشر: دار الدعوۃ۔ج: 1ص: 126

[33]اصفہانی، مفردات الفاظ القرآن، ص: 596

[34]الخُوَارِزْمی: (000 - بعد 232ھ = 000 - بعد 847 م) آپ کا پورا نام محمد بن موسی الخوارزمی، ابو عبد اللہ ہے، آپ ریاضی اور فلکیات کے مئورخ تھے، آپ اہل خوارزم میں سے تھے، آپ نے مامون اور عباسی دور میں کئی یونانی کتابوں کے ترجمے کیے، آپ کی کتابوں میں صورۃ الأرض من المدن والجبال، عمل الأسطرلاب، وصف إفريقية، رسم المعمور من البلاد شامل ہیں۔ الاعلام ج: 7ص: 116

[35]ابولبابہ، شاہ منصور، کتاب الجغرافیہ، ناشر السعید، کتب خانہ لاہور، ص: 25

[36]إحمد مختار عبد الحمید عمر، معجم اللغۃ العربیۃ المعاصرۃ، الناشر: عالم الکتب، الطبعۃ: الأولی، ج: 1ص: 61

[37]تاریخ علم الاثار، ص: 9

[38]القرآن الکریم، الانبیاء: 10/21

[39]القرآن الکریم، یونس: 92/10

[40]مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ج2ص310

[41]القرآن الکریم، توبہ: 30/9

[42]محمود احمد غازی: محاضرات قرآنی، الفیصل ناشران کتب لاہور۔ص275-276

[43]ایضاً۔ص276-277

[44]وحید الدین خان: عظمت قرآن، المکتبہ الاشرفیہ، ص 27-28

[45]وحید الدین خان : مذہب اور جدید چیلنج، دار التذکیر، ص 100

[46]القرآن الکریم، ق: 16/50

[47]وحید الدین خان : مذہب اور جدید چیلنج، دار التذکیر، ص 119